ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR

فارسی نظم کی نمائندہ مزاحمتی نسائی شاعرہ: طاہرہ صفارزادہ

TAHERAH SAFFARZADEH AS A REPRESENTATIVE VOICE OF FEMINIST RESISTANCE IN PERSIAN POETRY

ڈاکٹر علی احمد شیرازی

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ فارسی زبان و ادب، یونیورسٹی آف سرگودھا۔

محمد عرفان حیدر

لیکچرر (اردو)، گورنمنٹ گریجویٹ کالج جوہر آباد، خوشاب۔

Dr. Ali Ahmad Shirazi
Assistant Professor, Department of Persian Language and Literature, University of Sargodha. (Corresponding author)
Email: aliahmadshirazi@gmail.com
Muhammad Irfan Haider
Lecturer (Urdu), Govt. Graduate College Jauharabad, Khushab.
Email: Irfanhaider1004@gmail.com

Abstract:

This research study critically analyzes the poetry of contemporary Iranian poet Taherah Saffarzadeh, focusing on themes of womanhood, identity, resistance and feminist consciousness. Saffarzadeh's verse serves as an intellectual revolt against patriarchy, gender discrimination, emotional oppression and socio-economic marginalization. The study centers around poems where the poet does not portray women as passive or submissive beings but as conscious, autonomous, and defiant individuals. Through the use of symbolism, metaphor and inner monologue, Saffarzadeh illustrates the internal struggles, psychological conflicts and societal constraints faced by women. Applying a feminist theoretical framework, the study concludes that Saffarzadeh's poetic voice embodies a deep intellectual, emotional and aesthetic resistance to male-dominated cultural narratives, making her work a powerful testament to feminist literature in the Persian literary tradition.

Keywords:

Feminist Resistance, Persian Poetry, Tahereh Saffarzadeh, Women's Identity and Voice, Patriarchal Society

خلاصہ

یہ تحقیقی مطالعہ ایران کی معاصر شاعرہ طاہرہ صفارزادہ کی نظموں میں عورت کے کردار، شناخت، مزاحمت اور نسائی شعور کا تنقیدی جائزہ پیش کرتا ہے۔ صفارزادہ کی شاعری مردسالار معاشرت، صنفی تفریق، معاشی استحصال اور جذباتی جبر کے خلاف ایک فکری بغاوت کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس مطالعے میں ان نظموں کو مرکزی حیثیت دی گئی ہے جن میں شاعرہ نے عورت کو محض ایک مظلوم یا تابع ہستی کے طور پر نہیں بلکہ ایک باشعور، خودمختار اور انکار کرنے والی شخصیت کے طور پر پیش کیا ہے۔ صفارزادہ کی شاعری میں موجود علامات، استعارے اور داخلی مکالمے عورت کے داخلی کرب، نفسیاتی الجھنوں اور معاشرتی قیود کے خلاف احتجاج کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ یہ تحقیق نسائی تنقید کے نظریاتی فریم ورک کے تحت انجام دی گئی ہے اور یہ نتیجہ اخذ کرتی ہے کہ صفارزادہ کی نظموں میں عورت کی آواز ایک گہری فکری، جذباتی اور جمالیاتی جہت کی حامل ہے جو مردمرکز معاشرتی بیانیے کو چیلنج کرتی ہے۔

کلیدی الفاظ: نسائی مزاحمت، فارسی شاعری، طاہرہ صفرزادہ، خواتین کی شناخت اور آواز، پدرسالاری

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.02 (2025)

ایرانی معاصر ادب میں بیسویں صدی کے وسط کے بعد نسائی شعور کی ایک نئی لہر نے جنم لیا۔ جس کی بنیاد مغرب میں ابھرنے والی نسوانی تحریکوں، سیاسی تبدیلیوں اور معاشرتی ناہمواریوں کے خلاف شعوری رد عمل پر تھی۔ فارسی شاعری جو صدیوں تک مردانہ تخیل، جمالیات اور روایتوں کے زیر اثر رہی، اب عورت کی اپنی آواز، شناخت اور تجربات کو شعری اظہار کا حصہ بنانے لگی۔ اس سلسلے میں فروغ فرخزاد نے سب سے پہلے ذاتی تجربات، جنسی شناخت اور عورت کی داخلی کشمکش کو شاعری کا موضوع بنایا۔ ان کے بعد سیمین بہبہانی نے نہ صرف فارسی غزل کے سانچے کو بدلا بلکہ ایرانی سماج میں عورت کے مقام اور اس کی اجتماعی حیثیت پر زور دیا۔

اسی فکری تسلسل میں طاہرہ صفارزادہ ایک ایسی شاعرہ کے طور پر سامنے آتی ہیں جنہوں نے صرف صنفی مسائل ہی نہیں بلکہ مذہب، سیاست، استعماری طاقتوں اور طبقاتی تفریق کو بھی اپنی نظموں میں جگہ دی۔ تاہم صفارزادہ کی نمایاں خصوصیت ان کی قرآنی بصیرت، ترجمہ نگاری اور مزاحمتی شعری لہجہ ہے، جو انہیں فروغ یا سیمین سے الگ بناتا ہے۔ صفارزادہ کی شاعری کا دائرہ محدود نہیں بلکہ اس میں مرد کی ہوس، عورت کی مظلومیت، ماں کی مجبوری، بچی کی ناقدری، مذہب کا استحصال اور مرد کی فرسودہ اقدار جیسے موضوعات کو بڑے فنکارانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ادبی تنقید کی دنیا میں صفارزادہ کو نیمائی تحریک سے متاثرہ شاعرہ سمجھا جاتا ہے۔ تاہم ان کا اسلوب نیمائی تحریک سے آگے بڑھ کر فکری شعور اور اخلاقی بصیرت کا حامل بن جاتا ہے۔ وہ روایتی عشقیہ نظموں کی بجائے اجتماعی اور اخلاقی شعور پر مبنی شاعری کو ترجیح دیتی ہیں۔

مغربی نسائی تنقید جیسے سیمون دی بوواغ کی The Second Sex، ایڈرین رچ کی Compulsory Heterosexuality and Lesbian Existence، اور بیٹی فریڈن کی The Feminine Mystique جیسے نظریات عورت کی شناخت، جبر اور خود مختاری کے جن تصورات پر زور دیتے ہیں، صفارزادہ کی شاعری بھی ان تصورات کی ہم نوا محسوس ہوتی ہے۔ اگرچہ ان کا اسلوب مشرقی، مذہبی اور قومی مزاحمت پر مبنی ہے۔

ادب ہمیشہ سے انسانی جذبات، خیالات اور معاشرتی سچائیوں کا آئینہ دار رہا ہے۔ بالخصوص شاعری ایک ایسا فن ہے جو نہ صرف دل کی صداؤں کو آواز دیتا ہے بلکہ وقت کے اجتماعی شعور اور سماجی ڈھانچوں کو بھی چیلنج کرتا ہے۔ ایران کی معاصر شاعرات میں طاہرہ صفارزادہ ایک ممتاز مقام رکھتی ہیں۔ جنہوں نے نہ صرف ادبی اور فکری سطح پر خود کو منوایا بلکہ اپنی شاعری کے ذریعے پدرسالار معاشرت، صنفی امتیاز اور عورت کی مظلومیت کے خلاف ایک بھرپور مزاحمتی بیانیہ ترتیب دیا۔ صفارزادہ کی شاعری میں عورت کی ذات محض جسم یا خدمت گزار نہیں بلکہ ایک باشعور، متحرک اور مزاحمت کرنے والی شخصیت کے طور پر سامنے آتی ہے۔ ان کی نظموں میں عورت کی داخلی کشمکش، شناخت کی تلاش، جنسی اور معاشرتی استحصال اور آزادی کی جدوجہد کو بہت خوبصورتی اور جرأت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

یہ ریسرچ پیپر طاہرہ صفارزادہ کی منتخب نظموں کا فکری و تنقیدی مطالعہ پیش کرتا ہے۔ جس میں عورت، مرد، معاشرہ اور مذہب جیسے موضوعات کو شعری تناظر میں پرکھا گیا ہے۔ صفارزادہ کی شاعری ایرانی معاشرت کا آئینہ ہے۔ طاہرہ صفارزادہ کی شاعری میں عورت کی شناخت، آزادی اور مزاحمت جیسے موضوعات تواتر سے نظر آتے ہیں، لیکن ان نظموں کا تجزیہ نسائی تنقیدی زاویے سے کم کیا گیا ہے۔ یہ مطالعہ ان محققین، نقادوں اور قارئین کے لیے اہم ہے جو مشرقی نسوانی ادب، ایرانی معاشرت اور مزاحمتی شاعری کے حوالے سے گہرائی میں جانا چاہتے ہیں۔ صفارزادہ کی شاعری ایک فکری تحریک کی حیثیت رکھتی ہے جو عورت کو محض مظلوم نہیں بلکہ باشعور، باغی اور انقلابی کے طور پر پیش کرتی ہے۔ یہ تحقیق فارسی شاعری کے ایک ایسے زاویے کو روشناس کرواتی ہے جو اب تک کم تحقیق شدہ رہا ہے اور عصر حاضر میں نسائی آواز کو مضبوط بنانے میں مدد دے سکتی ہے۔

طاہرہ صفارزادہ سن 1315 ہجری شمسی میں شہر سیر جان میں پیدا ہوئیں۔ جب صفارزادہ پانچ سال کی تھیں تو اپنے والد اور والدہ کے سایہ سے محروم ہو گئیں۔ والدین کے بعد وہ اپنی نانی کے زیر کفالت آ گئیں۔ ان کی نانی شاعرہ بھی تھیں اور ماہر چشم (آنکھوں کی ڈاکٹر) بھی جو کرمان میں رہتی تھیں۔ جب طاہرہ صفارزادہ چھ سال کی تھیں تو انہوں نے تجوید، قرائت اور حفظ قرآن کی تعلیم مکمل کر لی۔ اپنی ابتدائی اور متوسطہ تعلیم کرمان میں حاصل کی۔ جب وہ تیرہ سال کی تھیں تو انہوں نے "بی نوا" اور "زمستان" کے عنوان سے نظمیں کہیں۔ ہائر اسکنڈری اسکول کے بعد انہوں نے یونیورسٹی کے داخلہ امتحان میں شرکت کی اور فارسی زبان و ادب، انگریزی زبان و ادب اور قانون جیسے شعبوں میں داخلہ امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ انہوں نے انگریزی زبان و ادب کا انتخاب کیا اور سن 1339 ہجری شمسی میں شیراز یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد طاہرہ نے کچھ مدت ایک بیمہ کمپنی میں کام کیا پھر وہ ایک زبان سکھانے والے ادارے سے منسلک ہو گئیں اور وہاں زبان کی تدریس کرتی رہیں اور اخبارات کے لیے کہانیاں لکھیں۔ کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ انہوں نے تیل کی کمپنی میں ملازمت حاصل کر لی اور تحریر، ترجمہ اور تدوین کے شعبے میں کام کرنے لگیں۔ کچھ عرصے بعد تیل کمپنی کے مزدوروں کے بچوں کے لیے منعقدہ گرمیوں کے کیمپ میں انہوں نے ایک تقریر کی جس میں موجودہ امتیاز (تفریق) اور ایسے ظلم و ستم کے عوامل

کے خلاف بات کی جو مزدوروں اور ان کے بچوں کی محرومی اور فقر کا باعث تھے۔ اس کے بعد ساواک (ایران کی خفیہ ایجنسی) نے ان سے بازپرس کی۔ کچھ عرصے بعد وہ اپنے کام کو ترک کرنے پر مجبور ہو گئیں۔ یہ طاہرہ صفارزادہ کی پہلی خانہ نشینی تھی۔[1]

لیکن چند ماہ بعد انہوں نے تیل کی کمپنی کا کام چھوڑ دیا اور اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ چلی گئیں اور وہاں یونیورسٹی آف آئیووا میں "عالمی ادب میں تھیوری اور عملی تنقید" کے شعبے میں اپنی تعلیم جاری رکھی۔[2]

طاہرہ نے وہاں مختلف کورسز کے ساتھ ساتھ چند اہم مضامین کا انتخاب بھی کیا جیسے: عصرِ حاضر کی عالمی شاعری، ادبی تنقید کے موضوعات اور سائنسی و فنی ترجمے کی تنقید اور سینما کی تعلیم۔

ماسٹر آف فائن آرٹس ایک ایسی ڈگری ہے جو پی ایچ ڈی سے الگ اور خود مختار ہوتی تھی اور یہ ان ادیبوں اور فنکاروں کو دی جاتی تھی جن کے پاس انگریزی زبان و ادب میں ایم اے کی ڈگری ہو اور جو یونیورسٹی میں تدریس کے خواہش مند ہوں اور جامع امتحان میں کامیابی کے بعد اس تعلیمی مرحلے میں داخلے کے لیے رجسٹریشن کروائیں۔ یہ کورس ایم فل سے ایک سال زیادہ ہوتا اور اس ڈگری کے حامل افراد کو امریکہ کی یونیورسٹیوں میں تدریس کے لیے پی ایچ ڈی کی بنیاد پر ملازمت دی جاتی تھی۔ اس ڈگری کو حاصل کرنے کے لیے شعراء اور ادباء محض رٹی رٹائی معلومات یا ادبیات کی تاریخ کے مطالعے تک محدود نہیں رہتے بلکہ ادبی تنقید کو نظری اور عملی طریقے سے سیکھتے ہیں اور متنوع ادبی منصوبوں کو انجام دینے کے پابند ہوتے تھے جن میں مختلف شاعروں اور ادیبوں کے آثار پر مبنی وسیع مطالعات شامل ہوتے ہیں۔ نیز انہیں لازماً ایک دوسرا فن بھی بطور "ہنر دوم" منتخب کرنا ہوتا اور اس فن میں تحقیقی مقالہ لکھنا بھی لازم ہوتا ہے۔ یہ طلبہ اس کورس کی تکمیل کے بعد اپنی متعلقہ تخصصی (تخصص رکھنے والی) شاخ کو یونیورسٹیوں میں نظری طور پر بھی اور عملی ورکشاپس کی صورت میں بھی پڑھا سکتے تھے۔ صفارزادہ نے دیگر دروس کے ساتھ ساتھ اپنے اہم مضامین کے طور پر عالمی معاصر شاعری، ادبی تنقید کے موضوعات اور سائنسی و فنی ترجمہ کی تنقید کا انتخاب کیا اور سینما کو بطور دوسرا فن سیکھا۔ یہاں تک کہ دو کریڈٹ گھنٹوں پر مشتمل سینما کا کورس مکمل کرنے کے لیے انہیں دو مختصر فلمیں بالترتیب 5 منٹ اور 15 منٹ دورانیے پر مشتمل خود بنانی پڑیں۔ جن میں کہانی نویسی سے لے کر اسکرپٹ رائٹنگ، فلمبرداری اور ہدایت کاری تک تمام مراحل کی ذمہ داری انہوں نے خود سنبھالی۔[3]

طاہرہ صفارزادہ کو شہرت اُس وقت حاصل ہوئی جب ان کی نظم "کودک قرن" (صدی کا بچہ) منظر عام پر آئی جو ان کی پہلی کتاب کی پہلی نظم بھی تھی۔ "کودک قرن" ایک نیمائی طرز پر مبنی کمزور اور رومانوی نظم تھی جس کا مضمون معاشرتی رجحان کا حامل تھا۔ اس نظم کا استقبال چالیس کی دہائی (1340ھ ش=1960 کی دہائی) کے پورے عشرے میں بہت گرم جوشی سے کیا گیا۔ حالانکہ اس دور میں نئی نظم (شعر نو) میں کافی ارتقاء اور تغیر آ چکا تھا۔ اس نظم کی مقبولیت اس بات کا مظہر تھی کہ نئی نظم کے عام قارئین نے دو دہائیوں پر مشتمل نظم خوانی کے باوجود کوئی نمایاں فکری یا ذوقی ارتقاء نہیں کیا تھا۔ صفارزادہ کے اس شعری مجموعے میں اشعار کی فکری روح عموماً اخلاقی اور ملیّت پسندانہ (قوم پرستانہ) تھی۔[4]

طاہرہ نے فارسی اور انگریزی دونوں زبانوں میں شاعری کی ہے۔ ان کا شعری مجموعہ "چترِ سرخ" (سرخ چھتری) ایک ایسا مجموعہ ہے جو سن 1968 عیسوی میں یونیورسٹی آف آئیووا کی جانب سے شائع ہوا اور یہ مجموعہ ان کی انگریزی زبان میں کہی گئی نظموں پر مشتمل ہے۔[5]

ایران واپس آنے کے بعد، وہ دانشگاہ ملی (موجودہ شہید بہشتی یونیورسٹی) سے منسلک ہو گئیں۔ سن 1355 ہجری شمسی (مطابق 1976 عیسوی) میں سیاسی طنز اور مزاحمتی شاعری کے موضوع پر کہی گئی نظموں کے باعث طاہرہ صفارزادہ کو یونیورسٹی سے برطرف کر دیا گیا۔ ایران واپسی کے بعد انہیں بیرونِ ملک کی سیاسی سرگرمیوں کے باعث کافی مسائل اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تاہم آخر کار ایک سال بعد ملی یونیورسٹی نے انہیں ملازمت پر بحال کر دیا۔ صفارزادہ خود اس بارے میں کہتی ہیں:

ایران واپسی پر سابق وزارت علوم کے حکام کے مطابق مجھے ترجمے کی عملی تدریس کی پہلی استاد شمار کیا گیا۔ میں نے کئی برسوں تک شہید بہشتی یونیورسٹی اور ایران کی دیگر یونیورسٹیوں میں ترجمے کی عملی تدریس کی جس میں، میں نے ترجمے کی تعلیم دی اور اس فن کے ماہر افراد تیار کیے۔ جب یونیورسٹی کے مختلف شعبوں کے لیے تخصصی زبان کی کتابوں کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی تو میں نے تخصصی ترجمے کا نظریہ اس انداز سے پیش کیا کہ درسی کتابوں میں مساویت یابی (equivalence-finding) کی مشقوں کو شامل کیا اور اس نظریے کو عملی جامہ پہنایا اور آخر کار خداوند کے فضل سے اسی نظریے کی بنیاد پر قرآن مجید کے بنیادی مفاہیم کے ترجمے کی کتاب کی تالیف کی توفیق بھی مجھے حاصل ہوئی۔[6]

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.02 (2025)

ڈاکٹر صفار زادہ نے ایران واپسی پر کچھ عرصے کے لیے ہندوستان میں قیام کیا اور وہاں انہوں نے تیسری دنیا کے اقتصادی امتیازات (معاشی ناانصافیوں) سے واقفیت حاصل کی۔ جن کا ذکر انہوں نے اپنی نظم "سفر اول" (پہلا سفر) میں کیا ہے۔ اسی زمانے میں انہوں نے استعمار مخالف اشعار کہنا شروع کیے لیکن استعمار کے کارندے ان کی نظموں کو سنسر کر دیتے تھے اور ان کی طرف ایسی بے وقعت تحریریں اور مقالات منسوب کر کے شائع کرتے تھے جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہوتا اور دیگر اذیت دینے والی سرگرمیوں میں بھی مصروف رہتے تھے۔ آخر کار سن 1355 ہجری شمسی (مطابق 1976 عیسوی) میں مذہبی مزاحمت پر مبنی شاعری لکھنے اور رستاخیز پارٹی میں جبری رکنیت کے فارم پر دستخط نہ کرنے کے الزام میں انہیں یونیورسٹی سے برطرف کر دیا گیا اور وہ دوسری بار گھر نشین ہو گئیں۔[7]

وہ ایران کی یونیورسٹیوں میں عملی ترجمہ تنقید کے حوالے سے ورکشاپ منعقد کرنے والی پہلی شخصیت تھیں۔ اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد طاہرہ صفار زادہ نے ادب فیکلٹی کی ڈین اور شہید بہشتی یونیورسٹی کی صدارت کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ طاہرہ صفار زادہ نے ترجمے کی عملی تنقید کے علاوہ ادبی تنقید، ترجمہ تنقید اور تخصصی ترجمے کے میدان میں بھی مختلف نظریات اور آراء پیش کی ہیں۔ سن 1371 ہجری شمسی (مطابق 1992 عیسوی) میں انہیں وزارت علوم کی طرف سے مثالی پروفیسر کے طور پر منتخب کیا گیا اور قرآنِ کریم کا ترجمہ شائع ہونے کے بعد 1380 ہجری شمسی (مطابق 2001 عیسوی) میں انہیں خادم القرآن (قرآن کی خدمت گزار) کے لقب سے نوازا گیا۔ طاہرہ نے عربی زبان سیکھنے کے بعد قرآن مجید کو فارسی اور انگریزی دونوں زبانوں میں ترجمہ کیا۔

علمی، تخصصی اور سماجی مضامین وانٹرویوز کے علاوہ طاہرہ صفار زادہ کے 12 شعری مجموعے، ایک افسانوی مجموعہ، ترجمہ تنقید پر 13 تصنیفات اور 5 منتخب اشعار کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں اور ان کے اشعار کا ترجمہ مختلف زبانوں میں بھی کیا گیا ہے۔[8]

آخر کار یہ عہد ساز نابغہ سن 1387 ہجری شمسی (مطابق 2008 عیسوی) میں 72 سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔

طاہرہ صفار زادہ کی شاعری میں پدر سالار سماجی نظام میں عورتوں کو درپیش مشکلات بہت مفصل ملتے ہیں۔ صفار زادہ ان لوگوں سے نفرت کرتی ہیں جو عورت کو محض شہوت رانی کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور وہ اپنی شاعری میں ان سے واضح اظہار بیزاری کرتی ہیں۔ صفار زادہ اپنی نظموں میں مرد پر تنقید کرتی ہیں، اس فاسد نظریے کی وجہ سے جو اس کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ عورت مرد کی لذت کا سامان ہے۔

من از ستوہ بہ دیدار بغض ھار فتم/و شکوہ ای سہ می آمد زراہ ھای ھزین/و نفرتی سنگین/ز مادرم سہ نگھبان لذت پدرم بود/ز حرف ھاسہ ھمہ یاوران شب بودند/رمیدہ از قفس روزھای عالمتاب[9]

ترجمہ: میں شدید بیزاری کے عالم میں دبی ہوئی سسکیوں اور آہوں کے روبرو ہوئی اور ان گہری شکایتوں کے پاس گئی جو غم واندوہ سے بھرپور راستوں سے آتی تھیں۔ میرے دل میں ایک بھاری نفرت تھی۔ اپنی ماں کے لیے جو میرے باپ کی جنسی خوشنودی کی محافظ بن چکی تھی۔ مجھے ان باتوں سے نفرت تھی جو رات کے ساتھی تھیں اور میں سورج جیسے چمکتے دنوں کی قید سے بھاگ نکلی۔

اس نظم میں شاعرہ طاہرہ صفار زادہ مرد سالار نظام کے خلاف گہری داخلی بیزاری اور احتجاج کا اظہار کرتی ہیں۔ وہ اس معاشرے میں عورت کی حیثیت کو صرف ایک جسمانی خواہش پوری کرنے والے آلے کے طور پر دیکھتی ہیں۔ شاعرہ یہاں اپنی ماں سے بھی نفرت کرتی ہے کیونکہ وہ اس ماں کو اس نظام کا خاموش سہولت کار سمجھتی ہے۔ ایک ایسی عورت جو مرد کی لذت کی محافظ بنی بیٹی کے لیے بھی یہی راہ ہموار کر رہی ہے۔ "رات کے ساتھی" دراصل ان سماجی جملوں، رویوں اور رسومات کی علامت ہیں جو عورت کو خاموش رکھنے اور صرف "رات" یعنی شہوت، تابعیت اور اندھیرے سے جوڑتے ہیں۔ آخر میں وہ "دن کے پنجرے" سے فرار کی بات کرتی ہے، جو اس بات کا اشارہ ہے کہ بظاہر آزاد اور روشن زندگی بھی عورت کے لیے قید جیسی ہے جہاں روشنی صرف دکھاوے کی ہے اصل میں اندر ایک قفس چھپا ہے۔

ھر شب/زني بہ جنگ آینہ برمی‌خیزد/با تکہ سنگ‌ھاي جواھر/اما صداقت آینہ/حرف شکست را/در نورھاي اشک/فریاد می‌کند[10]

ترجمہ: ہر رات ایک عورت آئینے کے خلاف جنگ کے لیے اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ اپنے زیورات کے ٹکڑوں سے۔ مگر آئینہ، اپنی سچائی کے ساتھ، شکست کی حقیقت کو آنسوؤں کی روشنی میں چیخ چیخ کر بیان کرتا ہے۔

یہ نظم عورت کی باطنی کشمکش اور سماجی جبر کے خلاف اس کی خاموش جدوجہد کی علامت ہے۔ شاعرہ کہتی ہیں کہ ہر رات عورت جو معاشرے کی جانب سے خوبصورتی، زینت اور دکھاوے میں جکڑی گئی ہے آئینے یعنی اپنی اصل شناخت یا سچائی سے جنگ کرتی ہے۔ یہ "زیورات کے ٹکڑے" یعنی عورت کی ظاہری زیب و زینت اس کے ہتھیار بن چکے ہیں۔ جن سے وہ خود کو سنوارنے کے بجائے اپنے عکس سے لڑنے پر مجبور ہے۔ لیکن آئینہ جھوٹ نہیں بولتا وہ عورت کی شکست، اس کے دکھ اور ناآسودگی کو اس کی

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.02 (2025)

آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کی روشنی میں فریاد کی صورت میں ظاہر کر دیتا ہے۔ یہ آئینہ دراصل سماج کی بے رحم سچائی ہے جو عورت کی اندرونی حالت کو بے نقاب کرتا ہے چاہے وہ جتنی بھی سج دھج لے حقیقت چھپ نہیں سکتی۔

صفارزادہ اپنی شاعری میں مرد کو بدکاری اور ظلم سے جوڑتی ہیں۔

از نیمه راه مهر/پیمان گسسته باد و دل از انس رسته باد!/پاي اميد در ره پندار آشنا/لرزان و خسته باد!/در بزم درد من/پیمانه‌هاي شادي و عشرت/شکسته باد/درهاي باورم/بر روي مردمان سیه‌کار/بسته باد/تمساح/چشم او كه فريبم ز گريه داد/در اشك درد رنگ دريغا/نشسته باد[11]

ترجمہ: آدھے راستے سے ہی محبت کا پیمان ٹوٹ جائے۔ دل انس سے آزاد ہو جائے۔ امید کا قدم مانوس خیالات کی راہ میں تھر تھر کانپتا اور تھکا ہوا ہو۔ میرے درد کی محفل میں خوشی اور عشرت کے سب جام ٹوٹے ہوئے ہوں۔ میرے یقین کے دروازے بدکردار مردوں پر ہمیشہ کے لیے بند ہوں۔ اس کے مگرمچھ جیسے آنسوؤں نے جو مجھے دھوکہ دیا۔ اس کے دردناک آنسوؤں میں صرف افسوس کا رنگ ہو۔

اس نظم میں طاہرہ صفارزادہ نے ایک ایسے مرد کی بے وفائی، فریب اور جھوٹے جذبات کو نشانہ بنایا ہے جو عورت کو صرف اپنے مطلب کے لیے استعمال کرتا ہے۔ شاعرہ محبت، خوشی اور اعتماد کے ٹوٹنے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں ایسے مردوں سے تعلق توڑنے کا اعلان کرتی ہیں۔ نظم عورت کے انکار، شعور اور خودداری کی ترجمان ہے۔ جہاں وہ درد کو پہچان کر فریب سے بچنے کا راستہ اپناتی ہے۔

اسی خیال کو ایک اور نظم میں یوں بیان کرتی ہیں:

وقت تنهايي گه آزردگي   كس نيامد تا خورد تيمار من

ليک گاه بي نيازي بي غمي   بس هوس‌ها بود بر ديدار من

شور خود كامي هياهوي گناه   بسته راه لابه بر گوش خدا

ميروم زين شهر تا شايد كه او   بشنود جاي دگر بانگ مرا[12]

ترجمہ: تنہائی اور آزردگی کے وقت کوئی نہ آیا کہ میرے غم کا مداوا کرے۔ مگر بے نیازی اور بے فکری کے لمحوں میں میرے دیدار کے لیے بہت سی ہوسیں جاگ اٹھیں۔ خود پسندی اور گناہ کی ہنگامہ خیزی نے خدا کے کانوں تک میری فریاد کے راستے بند کر دیے۔ میں اس شہر سے جا رہی ہوں شاید کسی اور مقام پر خدا میری پکار سن لے۔

اس نظم میں طاہرہ صفارزادہ ایک عورت کے جذباتی اور روحانی کرب کو بیان کرتی ہیں۔ وہ تنہائی، دکھ اور بے بسی کے لمحوں میں نظرانداز کیے جانے کا شکوہ کرتی ہیں۔ جبکہ آسودگی اور بے فکری کے وقت لوگ محض نفسانی خواہشات کے تحت اس کے قریب آتے ہیں۔ شاعرہ اس خود غرض معاشرے سے مایوس ہو کر ایک نئے مقام کی تلاش میں ہے۔ جہاں شاید خدا اس کی سچی پکار کو سن لے۔ یہ نظم عورت کی روحانی بیداری، عزت نفس اور فریب سے نجات کی خواہش کی علامت ہے۔

وہ عورتیں جنہوں نے سماجی ترقی حاصل نہیں کی اور جو معاشرے میں فعال کردار ادا نہیں کرتیں۔ طاہرہ صفارزادہ اپنی شاعری میں انہیں "کوتولے" (بونے، کتورے، کم عقل) کہتی ہیں۔

کوتوله‌ها مي‌گويند او در كافه‌اي كه نبايد ديده شده است/کوتوله‌ها مي‌گويند كه رنگ آبي به او مي‌آيد/کوتوله‌ها مي‌گويند موي كوتاه به او نمي‌آيد/کوتوله‌ها مي‌گويند كفش پاشنه بلند به او بهتر مي‌آيد/خانم كفشات كو، روسريت كو، كوتوله‌ها مي‌گويند فراموشكار است[13]

ترجمہ: کوتولے (کم عقل، کم فہم یا پست سوچ والے لوگ) کہتے ہیں کہ وہ (عورت) ایک ایسے کیفے میں دیکھی گئی ہے جہاں اسے نظر نہیں آنا چاہیے تھا۔ کوتولے کہتے ہیں کہ نیلا رنگ اس پر جچتا ہے۔ کوتولے کہتے ہیں کہ چھوٹے بال اس پر نہیں سجتے۔ کوتولے کہتے ہیں کہ اونچی ایڑی کے جوتے اس پر زیادہ اچھے لگتے ہیں۔ میڈم تمہارے جوتے کہاں ہیں؟ تمہارا اسکارف کہاں ہے؟ کوتولے کہتے ہیں کہ وہ بھلکڑ ہے۔

اس نظم میں طاہرہ صفارزادہ نے پست ذہنیت رکھنے والے افراد کو "کوتولے" کہہ کر ان کی سطحی، ظاہری اور تنگ نظر سوچ پر طنز کی ہے۔ یہ لوگ عورت کے کردار، شخصیت اور فکری پہچان کی بجائے اس کے ظاہری حلیے، کپڑوں، رنگ، بالوں اور موجودگی کے مقامات پر تبصرہ کرتے ہیں۔ شاعرہ ان خیالات کو مسترد کرتی ہیں اور عورت کی خود مختاری، شناخت اور سوچ کی آزادی کا دفاع کرتی ہیں۔ یہ نظم دراصل ایک نسائی مزاحمت ہے جو سماجی جبر اور صنفی تعصب کے خلاف ہے۔

طاہرہ اپنی نظم میں مرد پر تنقید کرتی ہیں کہ وہ ہوس پرست اور بے وفا ہے اور عورت نے خود کو فراموش کر دیا ہے جبکہ اب وہ (مرد) کسی اور کی تلاش میں ہے۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.02 (2025)

بر گرد و سایہ وار/ دنبال من مباش/ کاین راہ راھمیشہ یکی بودہ انتھا/ سر منزل خطا/ بر گرد و در قفای خود آھستہ باز کن/ چشمان بستہ را/ ھمراہ توست سایہ یک زن کہ می دمد/ از بام رفتہ ھا/ آن زن کہ با توزیست/ آن زن کہ با توخفت/ بہ شب ھای دیر پا/ آغوش اشتیاق بہ روی تو وا کند/ گروار ھی زمن/ آن جفت بی امید/ دنیای درد و در دپرستی رھا کند/ بر گرد سوی او[14]

ترجمہ: واپس لوٹ جاؤ اور سائے کی طرح میرے پیچھے نہ آؤ۔ یہ راستہ ہمیشہ سے ایک ہی انجام رکھتا ہے۔ خطا کا ٹھکانہ۔ واپس لوٹو اور اپنے پیچھے آہستہ آہستہ اپنی بند آنکھیں کھولو۔ تمہارے ساتھ ایک عورت کا سایہ ہے۔ جو ان چھتوں سے نمودار ہو رہا ہے جو پیچھے رہ گئے۔ وہی عورت جس نے تمہارے ساتھ زندگی گزاری۔ وہی جو تمہارے ساتھ ان طویل راتوں میں سوئی۔ وہ اپنی شوق بھری باہوں کو تمہارے لیے کھولے گی۔ اگر تم مجھ سے آزاد ہو جاؤ۔ وہ ناامید ساتھی تمہیں درد اور درد پرستی کی دنیا سے نجات دے گی۔ اس کی طرف واپس لوٹ جاؤ۔

اس نظم میں شاعرہ مرد سے کہتی ہے کہ اب اس تعلق کا انجام صرف گمراہی ہے اس لیے اسے پیچھے لوٹ جانا چاہیے۔ وہ مرد کو تلقین کرتی ہے کہ وہ اس عورت کی طرف واپس جائے جو واقعی اس کے ساتھ رہی، اس کے دکھ درد کی ساتھی تھی۔ شاعرہ کے لہجے میں دکھ، خودداری اور ایک طرح کا فکری شعور ہے جو مرد کی بے وفائی اور جذباتی سرد مہری پر طنز بھی ہے اور حقیقت پسندی بھی۔

ایک اور مقام پر بھی طاہرہ صفارزادہ مرد کی ہوس کو بیان کرتی ہیں اور اسے تنقید کا نشانہ بناتی ہیں۔

وقت تنھایی گہ آزردگی/ کس نیامد تا خورد تیمار من/ لیک گاہ بی نیازی، بی غمی/ بس ھوس ھا بود بر دیدار من[15]

ترجمہ: تنہائی اور رنج و غم کے وقت کوئی نہیں آیا کہ میرے حال پر ترس کھائے۔ لیکن جب میں بے نیاز اور بے غم تھی۔ تو بہت سے لوگ خواہشات کے ساتھ میرے دیدار کے طالب تھے۔

ان اشعار میں طاہرہ صفارزادہ معاشرے کے اس دوہرے معیار پر تنقید کرتی ہیں جہاں عورت کی تکلیف اور دکھ میں کوئی اس کا پرسان حال نہیں ہوتا۔ لیکن جیسے ہی وہ خود مختار، خوشحال یا پرکشش دکھائی دے تو مردوں کی نظریں اور خواہشات اس پر ٹوٹ پڑتی ہیں۔ شاعرہ اس تضاد کے ذریعے مردانہ معاشرتی رویے کو بے نقاب کرتی ہیں کہ ان کے لیے عورت صرف اس وقت اہم ہوتی ہے جب وہ ان کے ذوق یا لذت کا سامان بن سکے نہ کہ جب اسے حقیقی ہمدردی کی ضرورت ہو۔

طاہرہ صفارزادہ کی شاعری میں میاں بیوی کے درمیان غربت اور شوہر کی ہوس کی بنیاد پر جھگڑے کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

شام دیگر مادرش در خانہ است، آنجاست/ در اتاق او جدالی با پدر برپاست/ گفت و گویی تلخ و ناھنجار، دعوایی پر از تکرار/ باز دعوا بر سر پول است و دعوا بر سر ننگ خیانت ھاست[16]

ترجمہ: ایک اور شام ماں گھر میں ہے، وہیں ہے۔ بیٹی کے کمرے میں ماں اور باپ کے درمیان جھگڑا ہو رہا ہے۔ تلخ اور ناہموار گفتگو ہے۔ ایک ایسا جھگڑا جو بار بار دہرایا جا رہا ہے۔ پھر سے جھگڑا پیسوں کے بارے میں ہے اور خیانتوں کی رسوائی پر ہے۔

اس شعر میں شاعرہ گھریلو زندگی کی تلخیوں کو بیان کرتی ہیں۔ وہ ماں باپ کے درمیان غربت، مالی تنگی اور شوہر کی بے وفائی کی وجہ سے ہونے والے مسلسل جھگڑوں کی منظر کشی کرتی ہیں۔ یہ منظر نہ صرف ایک ذاتی تجربہ ہے بلکہ مرد سالار معاشرے میں عورت کی اذیت ناک زندگی کی علامت بھی ہے۔

طاہرہ اپنی نظم چراغانی میں مردوں پر تنقید کرتی ہیں کہ انہوں نے عورتوں کو نظر انداز کیا۔ ان کی بنیادی انسانی اور جذباتی ضروریات کو نہ سمجھا اور یہی بے توجہی بعض عورتوں کو غربت اور جسم فروشی جیسے انجام کی طرف لے گئی۔

مؤذنین بہ قرص خواب پناہ بردند/ زنان با چھرہ ھای برافروختہ از سرخاب/ فریاد زدند/ مرد/ مرد/ مرد/ بہ ما مرد بدھید/ حتی کسی از ایشان می گریست/ مردان سراغ مردان رفتہ بودند/ گدایان بہ تعطیل کار تن دادہ بودند[17]

ترجمہ: موذنوں نے نیند کی گولیوں کا سہارا لیا۔ عورتیں جن کے چہرے سرخی سے تمتما رہے تھے، چیخ اٹھیں۔ مرد مرد مرد ہمیں مرد دو۔ ان میں سے کچھ رو بھی رہی تھیں۔ مرد، مردوں کے پیچھے جا چکے تھے۔ گداگر مجبوراً اپنے جسم کا سودا کرنے پر راضی ہو چکے تھے۔

اس شعر میں طاہرہ ایک گہرے سماجی بحران کی عکاسی کرتی ہیں۔ موذن، جو روحانی بیداری کا نشان ہوتے ہیں بے حسی کی نیند سو چکے ہیں۔ عورتیں، مردوں کی عدم موجودگی اور بے توجہی پر بغاوت کرتی ہیں اور مردانگی کے اصل مفہوم کو پکارتی ہیں۔ شاعرہ اس المیے کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ جب مرد اپنی ذمہ داریوں اور مردانگی سے منہ موڑ

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.02 (2025)

لیتے ہیں تو عورتیں تنہائی، استحصال اور جسم فروشی جیسے نتائج کا سامنا کرتی ہیں۔ یہاں "مرد، مردوں کے پیچھے چلے گئے" کا مطلب ممکنہ طور پر ہم جنس پرستی یا مردانگی کے زوال کی علامت ہے۔ یہ نظم ایک طنزیہ اور دردناک معاشرتی تصویر پیش کرتی ہے۔

نظم "زادگاہ" میں عورتوں کی نفی کو سماج کی نظر میں بالخصوص مردوں کی نظر میں دکھایا گیا ہے۔

من زادگاهم را ندیده‌ام/جایي که مادرم/بار سنگین بطنش را/در زیر سقفی فرو نهاد/هنوز زنده‌ست/نخستین تیک تاک‌هاي قلب کوچکم/در سوراخ بخاري/ و درز آجرهاي کهنه/و پیداست جاي نگاهی شرمسار/بر در و دیوار اتاق/نگاه مادرم/به پدرم/و پدر بزرگم/صداي خفه‌اي گفت/دخترست!/ قابله لرزید/ در تردید سکه‌ي ناف بران/و مرگ حتمي شیریني ختنه‌سوران/در اولین زیارت از زادگاهم/نگاه شرمسار مادرم را/از دیوارها میزدایم/و آنجا که نبضم آشکارا کوفتن آغازید/اقرار می‌آغازم/در دست‌هاي روشنم/شهوت گره شدن و کوبیدن نیست/عربده نمی‌کشم/افتخار کشتن انسان‌ها را ندارم/که بر سفره‌ي برتري آدم‌هاي نر/پرواز نشده‌ام[18]

ترجمہ: میں نے اپنی جائے پیدائش کبھی نہیں دیکھا۔ وہ جگہ جہاں میری ماں نے اپنے بطن کا بھاری بوجھ ایک چھت کے نیچے رکھا تھا۔ اب بھی زندہ ہے۔ میرے ننھے سے دل کی پہلی دھڑکنوں کی گونج۔ اب بھی ہیٹر کے سوراخوں اور پرانی اینٹوں کی درزوں میں سنائی دیتی ہے۔ دیواروں پر ایک شرمندہ نظر کا نشان موجود ہے۔ میری ماں کی نظر۔ جو میرے باپ اور دادا کی طرف تھی۔ ایک دبے ہوئے لہجے میں کہا۔ بیٹی ہے۔ دایہ کانپ گئی۔ نذر کے سکے پھینکنے میں تردد ہوا۔ اور خوشی کی رسم ختنے کی مٹھائی سے لبریز۔ مرنا یقینی تھا۔ جب میں پہلی بار اپنی جائے پیدائش کی زیارت کو آئی۔ تو دیواروں سے ماں کی وہ شرمندہ نگاہیں صاف کرنے لگی۔ جہاں میرا دل پہلی بار دھڑکنے لگا تھا۔ وہیں میں اقرار کرتی ہوں۔ کہ میری روشن ہتھیلیوں میں شہوت، مارنے یا پٹخنے کا جذبہ نہیں۔ میں شور نہیں مچاتی۔ انسانوں کو قتل کرنے پر فخر نہیں کرتی۔ کیونکہ میں مردوں کی برتری کے دستر خوان پر اڑنے کے لیے نہیں پیدا ہوئی۔

اس نظم میں شاعرہ ایک بیٹی کی پیدائش کے وقت عورت کو کم تر سمجھنے والے مردانہ سماج پر تنقید کرتی ہے۔ نظم میں ماں کی شرمندگی، بیٹی کی ناقدری اور عورت کے وجود کی نفی کو اجاگر کیا گیا ہے۔ شاعرہ یہ پیغام دیتی ہیں کہ عورت نہ شہوت کا آلہ ہے، نہ تشدد کی علامت، بلکہ وہ ایک باوقار اور آزاد وجود رکھتی ہے۔ نظم ایک فکری بغاوت ہے جو پدرشاہی معاشرتی رویوں کو رد کرتی ہے۔

صفارزادہ اپنے دیوان میں بعض مقامات پر اُس معاشرتی سوچ پر شاعری کرتی ہیں جو مرد کی برتری کو بیان کرتی ہے، جیسے:

به چشم اشکبار خویش دیدم — تو را آلوده‌ي ننگ و گناهی
به دریا هم عنان موج خونین — به صحرا همدم خار و گیاهی
چه دارم از تو اي مرد ستمکار — به جز مشت غم و عمر تباهی؟
به صبح دوریت خو کرده‌ام من — ز دیدارت نخواهم شام گاهی.
به سنگ هجر می‌کوبم دل خویش — اگر یاد تو افتد گاه گاهی[19]

ترجمہ: میں نے اپنی اشکبار آنکھوں سے دیکھا کہ تو رسوائی اور گناہ میں آلودہ ہے۔ تُو دریا میں خون آلود موج کا ساتھی ہے اور صحرا میں کانٹوں اور گھاس کا ہم دم ہے۔ اے ظالم مرد مجھے تجھ سے کیا ملا ہے؟ سوائے غم کے مگے اور برباد عمر کے؟ میں تیری جدائی کی صبحوں سے مانوس ہو چکی ہوں۔ اب تیری دید کی شام نہیں چاہتی۔ اگر کبھی کبھار تیری یاد آ بھی جائے تو میں ہجر کے پتھر سے اپنا دل کوٹوں گی۔

اس نظم میں شاعرہ مرد کی بے وفائی، ظلم اور گناہ کی روش پر شدید تنقید کرتی ہیں۔ وہ دکھ بھری زبان میں کہتی ہیں کہ اسے مرد سے صرف غم، رسوائی اور برباد زندگی ملی ہے۔ شاعرہ مرد کے ظلم سے تنگ آکر اس کی یاد سے بھی نفرت کرنے لگتی ہے اور کہتی ہے کہ اگر کبھی اس کی یاد آئے تو وہ اپنے ہی دل کو زخمی کرے گی۔ یہ اشعار مرد سالار معاشرے کی بے حسی اور عورت کے اندرونی درد کا عکاس ہیں۔

چرا باید این چنین لرزان و ترسان باشیم؟/ما آه در محاصره‌ي مردانیم/مردان پاسبان، مردان تاجر، مردان امنیّت/مرداني که در بیمه نامه‌هاي شان بسته بندي شده‌اند/می‌داني که پرده‌ها را می‌آویزند/مرداني که پشت پرده‌ها به کمین می‌نشینند/مرداني که چنگال درآورده‌اند/همه‌ي آنها که یک بار باانگشتان خرد کودکیشان براي /پرندگان لانه ساخته‌اند[20]

ترجمہ: ہم کیوں اس قدر لرزاں اور خوفزدہ ہوں؟ ہم مردوں کے محاصرے میں ہیں۔ محافظ مرد، تاجر مرد، سکیورٹی والے مرد۔ ایسے مرد جو اپنی انشورنس پالیسیوں میں لپٹے ہوئے ہیں۔ تم جانتی ہو کہ پردے یہ لوگ ہی لٹکاتے ہیں۔ وہی مرد جو ان پردوں کے پیچھے چھپ کر گھات لگاتے ہیں۔ وہی مرد جو پنجے نکال چکے ہیں۔ وہ سب مرد جو بچپن میں کبھی پرندوں کے لیے گھونسلے بناتے تھے۔

طاہرہ صفارزادہ اس نظم میں مردانہ تسلط اور عورت کے خوف زدہ ماحول پر احتجاج کرتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ عورت ہر طرف مردوں کے محاصرے میں ہے——چاہے وہ محافظ ہوں یا تاجر یا سکیورٹی والے۔ شاعرہ منافقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ یہی مرد جو بچپن میں معصوم تھے، اب طاقت اور خوف کی علامت بن چکے ہیں۔ وہ عورت کے لیے معاشرے میں پردوں اور پردے کے پیچھے چھپے خطرات کو بیان کرتی ہیں۔ یہ اشعار مرد سالار معاشرے کی چھپی ہوئی درندگی اور عورت کی بے بسی کو بے نقاب کرتے ہیں۔

صفارزادہ اپنی شاعری میں مرد کو ایک ظالم (ستمکار) کے طور پر پیش کرتی ہیں۔

به چشم اشکبار خویش دیدم　　تو را آلودهي ننگ و گناهی
به دریا هم عنان موج خونین　　به صحرا همدم خار و گیاهی
چه دارم از تو اي مرد ستمکار　　به جز مشت غم و عمر تباهی[21]

ترجمہ: میں نے اپنی اشکبار آنکھوں سے خود دیکھا کہ تم (اے مرد) رسوائی اور گناہ میں آلودہ ہو۔ تم سمندر کی خونی لہروں کے ہم رکاب ہو اور صحرا میں کانٹوں اور بے وقعت گھاس کے ہمدم۔ اے ستمگر مرد! مجھے تم سے کیا ملا؟ سوائے دکھوں کے انبار اور برباد عمر کے۔

اس نظم میں شاعرہ مرد کو خیانت، ظلم اور غفلت کی علامت کے طور پر پیش کرتی ہیں۔ شاعرہ کا درد بھرا لہجہ بتاتا ہے کہ اُس نے مرد کی بے وفائی، گناہ اور ستم کو خود محسوس کیا ہے۔ دریا اور صحرا کی تشبیہیں، مرد کی فطرت میں موجود سختی، بے رحم ہونا اور خونریز رویے کو ظاہر کرتی ہیں۔ آخری مصرعے میں شاعرہ اس نتیجے پر پہنچتی ہیں کہ مرد سے اسے صرف غم، اذیت اور برباد زندگی ملی ہے۔ یہ اشعار صفارزادہ کے فیمینیستی خیالات اور مرد مرکز سماج کے خلاف تنقید کی بہترین مثال ہیں۔

طاہرہ ایک اور نظم میں عورتوں کی مظلومیت کو طنزیہ انداز میں یوں بیان کرتی ہیں۔

چرا باید این چنین لرزان و ترسان باشیم / ماکہ در محاصرہ مردانیم / مردانی کہ در بیمہ نامہ ھاشان بستہ بندی شدہ اند / مردانی کہ پردہ ھا را می آویزند / دلمان تنگ شدہ است / برای خاکی کہ خوب می شناسیم / برای تقلبی کہ خوب می شناسیم[22]

ترجمہ: ہمیں آخر کیوں یوں کانپتے اور ڈرتے رہنا چاہیے؟ ہم تو مردوں کے محاصرے میں ہیں۔ وہ مرد جو اپنی انشورنس پالیسیوں میں بندھے ہوئے ہیں۔ وہ مرد جو پردے لٹکاتے ہیں۔ ہمیں اس مٹی کی یاد ستاتی ہے۔ جسے ہم خوب پہچانتے ہیں۔ ہمیں اس دھوکے کی بھی پہچان ہے جو بار بار ہمارے ساتھ ہوتا ہے۔

اس نظم میں طاہرہ طنزیہ لہجے میں مردوں کی منافقت اور عورتوں کی گھٹن کو بیان کرتی ہیں۔ شاعرہ اس بات پر سوال اٹھاتی ہیں کہ عورت ہمیشہ خوف اور لرز کے ماحول میں کیوں زندہ رہے؟ مردوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے ان کے دوغلے رویے، مصنوعی اخلاقیات اور عورت پر مسلط کردہ پابندیوں کو بے نقاب کرتی ہیں۔

ایک اور مقام پر وہ مرد کی ہوس رانی کے بارے میں اس طرح شاعری کرتی ہیں۔

پنھان نشاید از تو بدان ای خدای عشق / در بازگشت سوی تو تنھا نبودہ ام / مردی ست ھمرھم کہ بہ شب ھای آرزو / پندار پرستارہ ی او را ستودہ ام / اکنون نیاز قلب مرا بشنوای خدا / جاوید کن بہ سینہ ی ما مھر بندگی / مگذار در تنور ھوس ھای زود پا / خاکستر گناہ شود پود زندگی[23]

ترجمہ: تجھ سے کچھ بھی چھپا نہیں اے عشق کے خدا۔ جب تیری طرف لوٹی ہوں، اکیلی نہیں تھی۔ ایک مرد میرے ہمراہ ہے جس کے ساتھ آرزوؤں کی راتوں میں۔ اس کے ستاروں بھرے خیالوں کو سراہا ہے۔ اب اے خدا میرے دل کی حاجت سن۔ ہماری چھاتیوں میں بندگی کی محبت کو جاوداں کر۔ اور مت چاہو کہ یہ زندگی کی بنیاد جلتی ہوئی ہوسوں کے تنور میں راکھ بن جائے۔

اس نظم میں شاعرہ مرد کے ساتھ محبت کی ایک لمحاتی وابستگی اور اس میں پوشیدہ روحانی کشمکش کا اظہار کرتی ہیں۔ وہ خدا سے التجا کرتی ہیں کہ اس تعلق کو پاکیزگی عطا کرے اور عارضی خواہشات کی آگ میں اس کا مقدس رشتہ خاکستر نہ ہو جائے۔ یہ شعر مرد کی وقتی ہوس پر تنقید اور عشق حقیقی کی طلب کا اظہار ہے۔

صفارزادہ اپنی نظم خاکستر میں ایسے موضوعات کو بیان کرتی ہیں جیسے مرد کی طرف سے لگائی گئی پابندیاں، مرد کا فریب، ماں ہونے کا تجربہ اور دیگر معاشرتی مسائل۔: یہ نظم نسائی شعور، عورت کی خود آگہی، مرد کے فریب اور جذباتی بیداری پر گہرا طنز اور احتجاج رکھتی ہے۔

رھا شد از دام بداختری　　ز کین قفس رست بال و پری

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.02 (2025)

سراپابدم آذر عشق او
کنون بر تنم گرد خاکستری

نہ من طالب سیم وزر بودہ ام
نہ ام خواھش بوس و ھمبستری

نہ در قید مردی کہ نان آورد
نہ در فکر شوداد نم مادری

تو باظاھر رام وآرام خویش
زعشقت گشودی مرادفتری

ولی وای وصد وای چون پردہ رفت
زروی فسونکاربد گوھری

ھزار آرزوی شر فبار من
فداشد بہ افسون خنیاگری

مراروزگاری ھوای تو بود
کنون سازم اندیشہ ی دیگری

بدان ای گرہ کردہ مشت از فریب
بہ جنگ توخیزد گھرباوری[24]

ترجمہ: رہاہو گئی میں بری فطرت کے جال سے۔ کینے کے اس پنجرے سے میرے پر و بال آزاد ہوئے۔ میں سراپااس کے عشق کی آگ تھی۔اب میرے جسم پر صرف راکھ باقی ہے۔ نہ میں کبھی دولت و سونے کی طلبگار تھی۔ نہ مجھے جسمانی تعلق یا بوسے کی خواہش تھی۔ نہ میں کسی ایسے مرد کی محتاج تھی جو صرف روٹی لائے۔ نہ ماں بننے کا ہی خواب مجھے مقید کر سکا۔ تم نے اپنی نرم اور پرامن ظاہری صورت سے۔ اپنے عشق سے میرے لیے ایک داستان کھول دی۔ لیکن ہائے جب پردہ ہٹا تمہاری فریبی اور بدذات حقیقت آشکار ہوئی۔ میری ہزار باوقار خواہشیں ایک گمراہ کن نغمہ ساز کے فریب پر قربان ہو گئیں۔ کبھی میرا دل تمہاری چاہت میں تھا۔ مگر اب میں ایک نیا خیال باندھتی ہوں۔ یادرکھو اے فریب سے مٹھیاں بھینچنے والے۔اب ایک گوہر بار عورت تمہارے خلاف اٹھ کھڑی ہو گی۔

یہ نظم عورت کی ایک داخلی بیداری، خود مختاری اور اس کے ساتھ ہونے والے جذباتی دھوکے کی کہانی سناتی ہے۔ شاعرہ کہتی ہیں کہ مرد کی ظاہری نرمی کے پیچھے ایک فریبی حقیقت چھپی ہوئی تھی۔ وہ اس دھوکہ دہی کے بعد اب ایک آزاد عورت کے طور پر خود کو دیکھتی ہے، جو نہ دولت کی محتاج ہے، نہ جسمانی خواہش کی، نہ روایتی بیوی یا ماں بننے کی تمنا میں بندھی ہوئی۔اب وہ شعور یافتہ ہے اور احتجاج پر آمادہ ہے۔ یہ نظم عورت کی باطن کی تبدیلی اور مردانہ معاشرے کے خلاف اس کی انفرادی مزاحمت کا خوبصورت اظہار یہ ہے۔

شاعرہ مندرجہ ذیل شعر میں عورت کی آزادی، خود اختیاری اور خاموشی کے خلاف بغاوت کا اظہار کرتی ہے۔اس لمحۂ فیصلہ میں وہ دوٹوک الفاظ میں اپنے داخلی اضطراب اور معاشرتی دباؤ کے درمیان کشمکش کو بیان کرتی ہے:

یامرگ یاشکستن پیمانہ ی سکوت/اندیشہ ام بہ اوج دوراھی رسیدہ است[25]

ترجمہ: یا تو مرنا ہے یا پھر خاموشی توڑنی ہے۔ میری سوچ اب ایک ایسے موڑ پر پہنچ چکی ہے جہاں مجھے دو میں سے ایک راستہ اختیار کرنا ہے۔

شاعرہ یہاں عورت کے ذہنی و جذباتی اضطراب کو بیان کرتی ہے کہ اب خاموش رہنا ممکن نہیں۔ یا تو اسے مر جانا ہو گا یا پھر ظلم، جبر اور خاموشی کے خلاف آواز بلند کرنی ہو گی۔ "پیمانۂ سکوت" (خاموشی کا جام) ایک استعارہ ہے اس برداشت، صبر یا سماجی جمود کے لیے جو عورت پر مسلط ہے۔اور "دوراہی" اس کشمکش کو ظاہر کرتا ہے کہ اب فیصلہ کن وقت آگیا ہے۔

اپنے کلام کے ایک اور حصے میں وہ بیان کرتی ہے:

توھمرنگ من آزادہ ھرگز نیستی ای مرد/روان شو سوی آن قومی/کہ سنگینند از سنگ جواھرھا/کہ رنگینند از رنگ دورویی ھا/کہ خاموشند از غوغای انسان ھا/بروکورانہ دست ھمسری برگیر/تاپاجای پای کھنہ ی اجداد بگذاری[26]

ترجمہ: تو جو ظاہر امیرے جیسا ہے۔ حقیقتاً ہرگز آزاد نہیں ہے اے مرد۔ جا ان لوگوں کی طرف چلا جا۔ جو گوہر جیسے پتھروں سے بھی زیادہ سنگدل ہیں۔ جو دورخی رنگوں سے آلودہ ہیں۔ جو انسانوں کے ہنگاموں سے بے حس اور خاموش ہیں۔ جا اور اندھوں کی طرح کسی عورت کا ہاتھ تھام لے۔ تاکہ اپنے آباؤ اجداد کے پرانے نقش قدم پر چلتا رہے۔

ان اشعار میں شاعرہ مرد کو "آزادہ" یعنی حقیقی معنوں میں آزاد انسان ماننے سے انکار کرتی ہے کیونکہ وہ مرد جس نے معاشرتی جبر، ظاہر داری، منافقت اور دقیانوسی روایات کو اپنایا ہو۔ وہ آزادی کے مفہوم سے کوسوں دور ہے۔ شاعرہ اس مرد کو اس معاشرے کا حصہ قرار دیتی ہے جو جذبات سے عاری، منافق اور پتھر دل ہے۔ آخر میں وہ طنزیہ انداز میں کہتی ہے کہ جا اور اندھی تقلید میں کسی عورت کا ہاتھ تھام لے۔ تاکہ تو بھی اپنے اجداد کی دقیانوسی راہ پر چلتا رہے یعنی یہ سوچ نسل در نسل منتقل ہوتی آرہی ہے۔

دوسری جگہ اس طرح بیان ہوا ہے

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.02 (2025)

چوزنم تکیہ بہ دیوار سکوت/غول پرسش فکند دیوارم/راز کاوان ھمہ سودر تب وتاب/کہ ببینید رخ پندارم[27]

ترجمہ: جب میں ایک عورت ہونے کے ناطے خاموشی کی دیوار پر ٹیک لگاتی ہوں۔ سوالات کا دیو(یعنی معاشرتی تجسس) میری دیوار کو گرا دیتا ہے۔ راز جاننے والے ہر سمت بے تاب و بے قرار ہوتے ہیں۔ تاکہ میرا چہرہ دیکھ سکیں۔

یہ اشعار عورت کی خاموشی کو موضوع بناتے ہیں۔ شاعرہ کہتی ہے کہ جب عورت خاموشی اختیار کرتی ہے تو معاشرہ اسے بھی برداشت نہیں کرتا بلکہ اس کی خاموشی کے پیچھے چھپے راز جاننے کے لیے بے چین ہو جاتا ہے۔ یہ اشعار عورت کی نجی دنیا پر معاشرے کی مداخلت اور عورت کے فکر واحساسات پر بے جا تجسس کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔

شعر "کودک قرن "کے آخر میں یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ شاعرہ مرد پر تنقید کرتی ہے اور میاں بیوی کے درمیان جھگڑے کو موضوع بناتی ہے۔ اس شعر میں مرد کو "خائن " جیسے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے جو اس کی بے وفائی اور بے اعتمادی کی طرف اشارہ ہے۔

کودک این قرن/هر شب در حصار خانه‌اي تنهاست/پر نیاز از خواب اما/وحشتش از بستر آینده و فرداست/بانگ مادر خواهی‌اش/آویزهاي در گوش این دنیاست/گفته‌اند افسانه‌ها از مهربانی‌هاي مادر/غمگساري‌هاي مادر/در بر گهواره/شب زنده داري‌هاي مادر/لیک آن کودک ندارد هیچ باور/شب چو خواب آید درون دیده‌ي او/پرسد از خودباز امشب مادرم کو؟/بانگ آرامی برآید/چشم بر هم نه که امشب مادرت اینجاست/پشت یک میز/زیر پاي دودهاي تلخ سربُی رنگ/در میان شعله‌هاي خدعه و نیرنگ/در تلاش و جستجوي بخت/چهره‌اش لبریز از زنگار فکر برد/فکر باخت، فکر پوچ، فکر هیچ/مانده در بن بست راهی تنگ/شام دیگر چون که خواب آید درون دیده‌ي او/پرسد از خودباز امشب مادرم کو؟/بانگ آرامی درون گوش او آهسته لغزد/در سراي رنگی شب زنده داران/در هواي گرم و عطر آمیز یک زندان/قامت آن مادر زیبا به گرد قامت بیگانه‌اي/پیچان و دستش گردن آویز است/شام دیگر مادرش در خانه است، آنجاست/در اتاق او جدالی با پدر برپاست/گفت و گوي تلخ و ناهنجار، دعوایی پر از تکرار/باز دعوا بر سر پول است و دعوا بر سر ننگ خیانت‌هاست[28]

ترجمہ: اس صدی کا بچہ۔ ہر رات وہ ایک قید خانہ نما گھر میں تنہا ہوتا ہے۔ نیند کا طلب گار تو ہے۔ مگر مستقبل اور آنے والے کل کے بستر سے خوفزدہ ہے۔ اس کی ماں کو پکارنے کی آواز۔ دنیا کے ہر کونے میں گونجتی ہے۔ لوگوں نے افسانوں میں ماں کی محبت۔ ماں کے غم بانٹنے کی کہانیاں سنائی ہیں۔ گھڑیوں تک جھولے کے پاس بیٹھنے کی۔ راتوں کو جاگنے کی۔ لیکن وہ بچہ ان باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔ جب رات آتی ہے اور نیند اس کی آنکھوں میں اترتی ہے۔ وہ خود سے پوچھتا ہے۔ کیا آج رات میری ماں میرے پاس ہوگی؟ نرمی سے ایک آواز آتی ہے۔ آنکھیں بند کر لو۔ آج رات تمہاری ماں یہی کہیں ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ماں۔ سیاہ دھویں کی لپیٹ میں۔ دھوکہ اور فریب کی آگ میں۔ کسی میز کے پیچھے بیٹھی ہے۔ ایک اندھے راستے پر۔ کبھی جیت کی کبھی ہار کی۔ کبھی کچھ، کبھی کچھ نہ ہونے کے خیال میں کھوئی ہوئی۔ ایک اور رات جب وہ بچہ سونے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر پوچھتا ہے۔ میری ماں کہاں ہے؟ ایک دبی ہوئی آواز سرگوشی کرتی ہے۔ وہ اب ایک رنگین شام کی رہائشی ہے۔ گرم ہوا اور مہک دار قید میں۔ جہاں وہ کسی اجنبی مرد کی بانہوں میں لپٹی ہے۔ ایک اور شام ماں گھر پر ہے۔ لیکن اب اس کے کمرے میں ماں باپ کے درمیان جھگڑا ہو رہا ہے۔ ایک تلخ۔ بدصورت مکالمہ۔ ایسا جھگڑا جو بار بار دہرایا جاتا ہے۔ پھر وہی جھگڑا۔ پیسوں پر اور خیانتوں کے داغ پر۔

نظم "کودک این قرن "میں شاعرہ نے جدید دور کے بچے کی تنہائی، عدم تحفظ اور خاندانی بکھراؤ کو دکھایا ہے۔ بچہ ہر رات ماں کی تلاش میں بے چین ہے مگر ماں یا تو دنیاوی مصروفیات میں ہے یا اخلاقی طور پر زوال کا شکار ہو چکی ہے۔ باپ اور ماں کے درمیان جھگڑے مسلسل ہیں۔ جن کی بنیاد محبت نہیں بلکہ پیسہ اور بے وفائی ہے۔ شاعرہ نے اس نظم میں ماں، باپ اور معاشرے تینوں کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور دکھایا ہے کہ بچہ اس سارے نظام کا سب سے بڑا متاثر ہے۔ نظم ایک گہری معاشرتی اور اخلاقی پستی کی عکاسی کرتی ہے۔

مرد کی بے وفائی کو شاعرہ نے اپنی شاعری میں اس طرح بیان کیا ہے:

کدام بی وفا مگر — گذشته از وفای تو
چرا نمی دهد ندا — به این همه ندای تو
مگر که ره نبرده او — به قلب باصفای تو
مگر دلش چو قلب من — نلرزد از صدای تو
چو من نخواسته مگر — جهان فقط برای تو

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.02 (2025)

چرا کسی سر نمی نهد	به پیش تو به پای تو
سزای بی وفاییش	به او دهد خدای تو[29]

ترجمہ: کون ہے وہ بے وفا، جو تیری وفا سے گزر گیا؟ کیوں نہیں دیتا جواب، تیرے ان سب نداؤں کا؟ کیا وہ تیرے پاک دل تک نہ پہنچ سکا؟ کیا اس کا دل میری طرح تیری آواز سے نہ کانپا؟ کیا اُس نے بھی میری طرح یہ دنیا فقط تیرے لیے نہ چاہی؟ پھر کیوں وہ تیرے آگے سر تسلیم خم نہیں کرتا؟ اُس کی بے وفائی کی سزا اُسے تیرا خدا دے گا۔

اس نظم میں شاعرہ مرد کی بے وفائی کو موضوع بناتی ہے۔ وہ اپنے سچے جذبات کے مقابل مرد کی سرد مہری اور لاپرواہی پر افسوس کرتی ہے۔ یہ اشعار ایک درد مند دل کی پکار ہیں جو عدل کی امید خدا سے رکھتا ہے کہ بے وفائی کی سزا وہی دے گا۔ نظم میں عورت کی جذباتی سچائی اور مرد کے فریب کی گہری عکاسی ملتی ہے۔

ایک اور نظم میں دیکھا جا سکتا ہے کہ پہلے مرد نے برائی اور بے وفائی کی اور بعد میں معافی مانگی اور واپسی کی درخواست کی۔

باز در وادی تاریک فریب/گام پوینده ی او را بینم/باز در بیکر لغزنده ی دل/دست جوینده ی او را بینم/باز در چهره ی اندیشه ی من/موج افسون گریش پیدا شد/باز در خانه ی آرام خیال/ز صدای قدمش غوغا شد/باز پیغام فرستد که بیا/من دگر سست و هوسباز نیم/سرزنش های تو هشیارم کرد/دگر آن خانه برانداز نیم/یاد او هست ولی پایم نیست/که بدان مایه ی غم روی برم/تا شوم فارغ و آسوده از او/خانه ی دل به دگر کوی[30]

ترجمہ: پھر میں دھوکہ اور فریب کی تاریک وادی میں۔ اس کے قدموں کی چاپ دیکھتی ہوں۔ پھر میں دل کی بے قرار اور پھسلتی ہوئی وسعت میں۔ اس کے تلاش کرتے ہوئے ہاتھ کو محسوس کرتی ہوں۔ پھر میرے خیالات میں اس کے سحر انگیز چہرے کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔ پھر میرے خیالات کی پر سکون دنیا میں اُس کے قدموں کی آہٹ شور مچاتی ہے۔ وہ دوبارہ پیغام بھیجتا ہے کہ۔ آ جاؤ۔ اب میں کمزور اور ہوس پرست نہیں ہوں۔ تمہاری ملامت نے مجھے ہوشیار کر دیا ہے۔ اب میں وہ نہیں رہا جو گھر اجاڑ دے۔ اگرچہ اُس کی یاد باقی ہے۔ مگر اب مجھ میں ہمت نہیں کہ اس کے سبب ہونے والے دکھ کی طرف پلٹ جاؤں۔ میں چاہتی ہوں کہ اس سے چھٹکارا پا کر سکون میں آ جاؤں اور اپنے دل کا گھر کسی اور جگہ بساؤں۔

اس نظم میں شاعرہ مرد کی بے وفائی اور فریب کے بعد اس کی واپسی اور معافی مانگنے کی کوشش کو بیان کرتی ہے۔ وہ مرد دوبارہ رشتہ جوڑنا چاہتا ہے لیکن عورت اب اس پر بھروسا کرنے کو تیار نہیں۔ [31] وہ ماضی کے دکھوں سے سبق سیکھ چکی ہے اور دل کا رخ کسی اور طرف موڑنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ نظم میں خودداری، خود آگاہی اور جذباتی پختگی کا اظہار ہے۔

طاہرہ صفارزادہ کی شاعری نہ صرف ایک ادبی تجربہ ہے بلکہ ایک فکری بیداری اور نسائی مزاحمت کا بیانیہ بھی ہے۔ ان کے اشعار میں عورت ایک حساس، خود آگاہ، باوقار اور انقلابی کردار کے طور پر سامنے آتی ہے جو مردانہ معاشرتی ساخت کے خلاف سوال اٹھاتی ہے۔ صفارزادہ نے اپنی شاعری میں پدرسالار نظام، صنفی امتیاز، سماجی ناہمواری، جذباتی استحصال اور مذہبی منافقت کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ انہوں نے عورت کو صرف ایک تابع اور مظلوم ہستی کے طور پر نہیں بلکہ ایک خود مختار، فیصلہ کن اور مزاحمت پر آمادہ فرد کے طور پر متعارف کروایا ہے۔ ان کی نظموں میں استعارات، علامتیں، داخلی مکالمے اور معاشرتی تنقید نہایت فکری گہرائی سے بھرپور ہیں۔ وہ مرد کو صرف ایک استحصالی قوت نہیں بلکہ ایک فرسودہ معاشرتی سوچ کا نمائندہ سمجھتی ہیں اور اس کے مقابل عورت کو شعور، انکار اور تعمیر نو کی علامت بناتی ہیں۔ صفارزادہ کی شاعری جدید فارسی ادب میں نسائی شعور کی مضبوط آواز ہے جو ایرانی معاشرت سے لے کر عالمگیر صنفی مسائل تک کے حوالے سے ایک بیدار ضمیر کی علامت بن کر ابھرتی ہے۔

کتابیات

[1]۔ محمد علی رفیعی، بیدار گری در علم و هنر (شناخت نامه طاهره صفارزاده)، (تهران: انتشارات هنر بیداری، 1386ھ ش)، چاپ اول۔ ص 16۔
[2]۔ فاضل چنگیزیان، زندگی نامه مشهورترین شاعران ایران از آغاز تا کنون، (تهران: نشر اطلاعات، 1387ھ ش)، ص 331۔
[3]۔ محمد علی رفیعی، بیدار گری در علم و هنر (شناخت نامه طاهره صفارزاده)، (تهران: انتشارات هنر بیداری، 1386ھ ش)، چاپ اول۔ ص 17 تا 18۔
[4]۔ محمد شمس لنگرودی، تاریخ تحلیلی شعر نو، (تهران: نشر مرکز، 1381ھ ش)، جلد 3 و 4، چاپ سوم۔ ص 84 و 85۔ [5]۔ سید مهدی زرقانی، چشم انداز شعر معاصر ایران، (تهران: نشر ثالث، 1384ھ ش)، چاپ دوم۔ ص 670۔
[6]۔ محمد علی رفیعی، بیدار گری در علم و هنر (شناخت نامه طاهره صفارزاده)، (تهران: انتشارات هنر بیداری، 1386ھ ش)، چاپ اول۔ ص 61۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.02 (2025)

[7]۔ایضا،ص21۔

[8]۔ایضا،ص15۔

[9]۔طاہرہ صفار زادہ، مجموعہ اشعار با مقدمہ محمد حقوقی،(تہران:انتشارات پارس کتاب، 1391ھ ش)،چاپ اول۔ص99۔

[10]۔طاہرہ صفار زادہ، حرکت ودیروز،(تہران: نشر رواق،1357ھ ش)،چاپ اول۔ص27۔

[11]۔طاہرہ صفار زادہ، مجموعہ اشعار با مقدمہ محمد حقوقی،(تہران:انتشارات پارس کتاب، 1391ھ ش)،چاپ اول۔ص67و68۔

[12]۔ایضا،ص79۔

[13]۔طاہرہ صفار زادہ، حرکت ودیروز،(تہران: نشر رواق،1357ھ ش)،چاپ اول۔ص49۔

[14]۔طاہرہ صفار زادہ، مجموعہ اشعار با مقدمہ محمد حقوقی،(تہران:انتشارات پارس کتاب، 1391ھ ش)،چاپ اول۔ص99۔

[15]۔ایضا،ص79۔

[16]۔ایضا،ص40۔

[17]۔ایضا،ص105و106۔

[18]۔ایضا،ص110و111۔

[19]۔ایضا،ص84و85۔

[20]۔طاہرہ صفار زادہ،سد و بازوان با مقدمہ محمد حقوقی،(شیراز: نشر نوید،1365ھ ش)۔ص27۔

[21]۔طاہرہ صفار زادہ، مجموعہ اشعار با مقدمہ محمد حقوقی(تہران:انتشارات پارس کتاب، 1391ھ ش)،چاپ اول۔ص84۔

[22]۔طاہرہ صفار زادہ،سد و بازوان با مقدمہ محمد حقوقی،(شیراز: نشر نوید،1365ھ ش)۔ص27۔

[23]۔ایضا،ص42۔

[24]۔ایضا،ص87و88۔

[25]۔ایضا،ص26۔

[26]۔ایضا،ص30۔

[27]۔ایضا،ص31۔

[28]۔ایضا،ص37تا40۔

[29]۔ایضا،ص45و46۔

[30]۔ایضا،ص80و81۔

[31]۔علی احمد شیرازی، تحلیل جامعہ شناختی شعر زنانہ در ایران و پاکستان (با تکیہ بر آثار فروغ فرخزاد، سیمین بھبھانی، طاہرہ صفار زادہ،ادا جعفری، فھمیدہ ریاض، پروین شاکر)،(قزوین: رسالہ برای دریافت درجہ ی دکتری، دانشگاہ بین المللی امام خمینی،1400ھ ش)۔ص153۔